ترجمۂ قرآن کا شعری منہج -مثنوی مفاہیم القرآن کا تنقیدی جائزہ

محمد سعید شیخ*

The translations of the Qur'an in Urdu are of two kinds: Prosaic and Poetical. To translate the Qur'an in prose is difficult to the extent of impossibility, the difficulties are doubled for the translator in poetry, to follow the context of the Qur'an on one side, and the strict restriction of rhyme and rhythm on the other. However, the existence of the versified translations of the Qur'an is reality. The writer of these lines has chosen d'Masnawi Mafaheem-ul-Qur'an" out of the poetical translations of the Qur'an, which is the outcome of the thoughts of Dr. Ahmad Hussain Ahmad Qureshi Qaladari. Its three editions have come into existence uptil now. The writer of these lines, firstly, has introduced versified version of the Qur'an, secondly, he has examined this very fact whether this version was in accordance with the Qur'an or not, if it is upto the standard of other rules of poetry and language.

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے پہلے مخاطب اہل عرب ہی تھے، مگر چوں کہ قرآن مجید کی تعلیمات ابدی اور عالم گیری ہیں، قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے اس میں ہدایت کا سامان ہے۔ وہ لوگ جن کی زبان عربی نہیں ہے یا وہ عربی نہیں سمجھتے، اُن کے لیے قرآن سے استفادہ بہ ذریعہ ترجمہ ہی ممکن ہے۔ ہر دور کے اہل علم حضرات نے لوگوں کی ضرورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمے کیے ہیں، شاید ہی دنیا کی کوئی ایسی زندہ زبان ہو، جس میں قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہو۔ اُردو کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب سے زیادہ تراجم قرآن اس زبان میں ہوئے ہیں۔ اُردو میں قرآن مجید کے ترجمے دو طرح کے ہیں: منثور اور منظوم۔ راقم سطور کی اب تک کی معلومات کی حد تک نثر کی طرح نظم میں بھی دُنیا کی تمام دیگر زبانوں کی نسبت اُردو میں قرآن مجید کے ترجمے تخلیق ہوئے ہیں۔ اُردو میں اب تک بیس مکمل منظوم ترجمے زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو چکے ہیں، بعض کے تو ایک سے زائد ایڈیشن اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ جزوی تراجم کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے۔

نثر میں ترجمہ کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے، تو نظم میں مترجم کے لیے مشکلات دوگنا ہو جاتی ہیں: ایک

** لیکچرر، شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ کالج شالیمار کالج باغبان پورہ، لاہور۔

http://www.alqalamjournalpu.com/

طرف متن قرآن کا تتبع تو دوسری طرف وزن و بحر اور ردیف وقافیہ کی کڑی پابندی۔ بہر حال منظوم تراجم کا وجود ایک حقیقت ہے۔ راقم سطور نے اس مقالہ کے لیے منظوم تراجم قرآن میں سے مثنوی مفاہیم القرآن کا انتخاب کیا ہے جو ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری (۱) کی فکر کا نتیجہ ہے، اس کی اب تک تین اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں۔ راقم سطور مقالہ ہٰذا نے اولاً ترجمے کا تعارف کروایا ہے اور پھر اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ یہ ترجمہ متنِ قرآن کے مطابق ہے یا نہیں؟ زبان و بیان، فن عروض اور شاعری کے دیگر قواعد وضوابط پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟

تعارف ترجمہ

ذیل میں مثنوی مفاہیم القرآن کا اس طرح تعارف کروانے کی کوشش کی ہے کہ اس کی صورت قاری کے سامنے آجائے۔

زمانہ تالیف

قرآن مجید کے مطالب ومفاہیم کو نظم میں پرونے کا آغاز ۱۹۵۴ء میں کیا، ابھی صرف چار یا پانچ پاروں کے مفاہیم کو نظم کی شکل ہی دے پائے تھے کہ ''فترۃ'' کا زمانہ آ گیا، پھر ایک طویل انقطاع کے بعد ۱۹۸۵ء میں اس سلسلہ کو دوبارہ شروع کیا اور صرف چار پانچ ماہ کی کوشش سے مفاہیم نظم کرنے کا کام ۲۷ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/ ۱۶ر جون ۱۹۸۵ء کو بوقت عشاء اپنی تکمیل کو پہنچا (۲)۔

ماخذ منظوم مفاہیم

ڈاکٹر احمد حسین قریشی قلعہ داری نے اپنے منظوم مفہوم ''مفاہیم القرآن'' میں تو کہیں یہ نشان دہی نہیں کی کہ مفہوم نظم کرتے وقت اُن کے پیش نظر کون سے نثری تراجم تھے، البتہ راقم سطور کو آپ نے بتایا ''کہ نصف میں نے براہِ راست قرآن مجید سے مفہوم اخذ کر کے نظم کیا ہے اور نصف کے لیے مولانا فتح محمد جالندھری کا نثری ترجمہ پیش نظر رکھا ہے'' (۳)، لیکن راقم سطور ''مفاہیم القرآن'' کے مطالعے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ سید مودودی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تراجم بھی نظم نگار کے پیش نگاہ تھے، مگر اصل قبلہ وکعبہ آپ کی اپنی طبیعت اور ذوق تھا۔

صنف منظوم ترجمہ

''مفاہیم القرآن'' قرآن مجید کا مفہومی ترجمہ ہے، کہ نظم نگار نے آیت یا جزوِ آیت سے جو مفہوم اخذ کیا

اس کو نظم کا جامہ پہنا دیا، باعتبار ہیئت کے یہ مثنوی طرز میں ہے اور اس کے لیے شاعر نے بحر ہزج مسدس مزحف کا انتخاب کیا ہے جس کا وزن مفاعلین مفاعلین فعولن ٥ مفاعلین مفاعلین فعولن ہے۔

ڈاکٹر احمد حسین قریشی کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ کلامِ الٰہی کا ترجمہ کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کی بہ جائے اس کے مطالب ومفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالا ہے۔ ''ضروری انتباہ'' کے عنوان کے تحت آپ خود رقم طراز ہیں:

''مثنوی ہذا مفاہیم القرآن کی ظاہری صورت قرآن مجید کے منظوم ترجمہ کی سی ہے، لیکن حقیقت میں یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں ہے، اس پر ہرگز ترجمہ کا التزام نہ کیا جائے۔ میں نے صرف قرآن مجید کے مفاہیم اور مطالب اپنی بساط کے مطابق نہایت سادہ انداز میں بیان کیے ہیں کہ قارئین اس سے استفادہ کرسکیں اور اس پر عمل پیرا ہو کر سعادت دارین کی دولت حاصل کرسکیں۔ یہ میری طرف سے پھر گزارش ہے یہ مثنوی قرآن مجید کا ترجمہ نہیں صرف مفاہیم ومطالب کا مجموعہ ہے''(۴)۔

اشاعت ترجمہ

مفاہیم القرآن کی اَب تک تین اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں، پہلی مرتبہ مصنف ہی کے زیرِ اہتمام رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء میں ادارۂ اشاعت ''القریشیہ'' قلعہ دار ضلع گجرات سے طبع ہوکر یہ منظوم مطالب ومفاہیم منظرِ عام پر آئے۔ دوسری اشاعت سنہ ۲۰۰۰ء میں، جب کہ تیسری اشاعت ۲۰۱۴ء میں عمل میں آئی۔

مفاہیم القرآن دو جلدوں میں ہے، ہر جلد پندرہ پندرہ پاروں کے منظوم مطالب ومفاہیم پر مشتمل ہے، پہلے ایڈیشن کے صفحات کی تعداد ۱۵۸۴ ہے جب کہ دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کے صفحات کی کل تعداد ۱۹۶۰ ہے، دائیں صفحے پر متنِ قرآن ہے اور بائیں صفحے پر منظوم مطالب ومفاہیم۔ منظوم مطالب میں بھی آیات کے نمبر لگائے گئے ہیں تاکہ قاری کو آیت اور اس کے مفہوم میں تطابق کی سہولت رہے۔ اس کی طباعت میں ایک سقم یہ در آیا ہے کہ متعدد مقامات پر شعری مفہوم پہلے درج ہوگیا اور قرآنی متن اس سے اگلے صفحے پر ہے، کہیں کہیں ایسا بھی ہے کہ منظوم مفہوم متنِ قرآن کے سامنے والے صفحے کی بہ جائے اس سے اگلے صفحے پر ہے، یعنی ہر جگہ آیت اور مفہوم آمنے سامنے نہیں رہے۔ ڈاکٹر قلعہ داری اس کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''میں نے مثنوی ہذا مفاہیم القرآن کے ساتھ متنِ قرآن مجید بحکم سرکارِ والا و بغرض حوالہ ومطالب

شامل کر دیا ہے۔ آیات قرآن مجید اور اشعار مفاہیم القرآن پر نمبر درج کر دیے ہیں تا کہ حوالہ کی تلاش میں آسانی رہے۔ افسوس صرف اس قدر ہے قرآن مجید کی آیات اور مفاہیم و مطالب کے اشعار باوجود صفحات کے آمنے سامنے ہونے کے آمنے سامنے نہیں آسکے۔ یہ کوتاہی اس لیے سرزد ہوئی کہ قرآن مجید کی فصیح و بلیغ زبان کے الفاظ تھوڑے ہیں اور مفاہیم و مطالب سمندروں کی موجوں سے زیادہ ہوتے ہیں جن کو دنیا کی کوئی زبان کماحقہٗ بیان نہیں کر سکتی۔ اُردو زبان اور منظوم بیان میں مفاہیم کے الفاظ زیادہ ہیں اور قرآن مجید کے الفاظ کوزے میں دریا نہیں سمندر بند ہیں۔ اس کوتاہی کا واقع ہونا ضروری اور مجبوری ہے، دوسرے یہ کہ کمپیوٹر کی کمپوزنگ بھی معذور نظر آئی'' (۵)۔

تعارف ترجمہ

اس مقالہ کی تسوید و تبئیض کے وقت مفاہیم القرآن کی تیسری اشاعت پیش نگاہ ہے، سرورق، پرنٹ لائن کے بعد انتساب ہے، جو میاں جمیل احمد شرقپوری کے نام معنون ہے، اس کے بعد مفہوم نگار کا منثور ''ضروری انتباہ'' ہے۔ صفحہ ۵ تا ۸ سورتوں اور پاروں کی فہرست ہے، اس کے بعد ایک صفحہ ''گزارش احوال'' کے عنوان سے مصنف کا نثری مقدمہ ہے، پھر ''ہدایۃ القرآن'' کے عنوان سے شاعر کا عربی کلام ہے، بعد ازاں ''مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات''، حمد باری تعالیٰ و نعت، پھر ان کے بعد ''عرض حال'' کے عنوان سے ایک طویل نظم ہے جس میں قلعہ داری صاحب کے خاندان کے اکابر اور اُن کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ دوسری جلد کے آخر میں علامہ ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی کا فارسی زبان میں مصنف کو منظوم خراج تحسین ہے، قطعۂ تاریخ طباعت جناب ضیا محمد ضیا الہاشمی پسروری کا ہے، جناب پروفیسر سید مسعود ہاشمی اور محمد ریاض قریشی قلعہ داری کے اُردو میں منظوم خراج تحسین بھی اس اشاعت کا حصہ ہیں۔

تسمیہ کا ترجمہ

فاضل نظم نگار نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا درج ذیل ترجمہ کیا ہے:

شروع کرتا ہوں لے کر نام اُس کا جو رحمٰن و رحیم اللہ ہے سچا

حروف مقطعات

حروف مقطعات کے بارے میں مفہوم نگار کا موقف یہ ہے کہ ان کی حقیقت کو خدا ہی جانتا ہے، جو ان کی تاویلات میں الجھے ہیں، وہ اُن کے ذہنی وسوسوں کے سوا کچھ نہیں۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں ہے:

الف ہے لام ہے اور میم ہے ساتھ مقطعات ہیں یہ تین کلمات

خدا نے ہے کیا آغاز ان سے وہی بس جانتا ہے راز ان کے
حقیقت کو خدا ہی جانتا ہے الٰہی بھید جو ان میں چھپا ہے
جو تاویلات میں الجھے ہوئے ہیں فقط اُن کے یہ ذہنی وسوسے ہیں(۶)

نظم نگار نے حروف مقطعات کو مزید قطع کر دیا ہے، مفہوم کے نام پر گوارہ بھی کر لیں، مگر ان کے تلفظ کے بگاڑ کی کسی صورت اجازت نہیں دی جا سکتی، ملاحظہ ہو:

الف ہے لام ہے اور رے یہ کلمات مقطعات ہیں حرف کرامات(۷)

''را'' کی بہ جائے ''رے'' نظم کرنا نامناسب ہے، زبان و بیان کے قواعد کی رُو سے یہ شعر ناقص ہے۔

قوسین کا استعمال

فاضل نظم نگار جہاں کہیں کسی مفہوم کو قرآنی آیت کے مفہوم سے اضافی سمجھتے ہیں، یا کسی مصرعے کو محض تکمیل شعر کے لیے لاتے ہیں، تو وہاں قوسین کا اہتمام کیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ احزاب کی ابتدائی آیات کا منظوم مفہوم ملاحظہ کریں:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًاۙ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًاۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (۸)

اے اللہ کے نبی رب سے ڈرو تم اطاعت کافروں کی نہ کرو تم
منافقوں کی نہ کرنا پیروی تم (چلو نہ پھر براو گمراہی تم)
علیم اور ہے حکیم اللہ تمہارا کرو وہ ہی کرے وہ جو اشارہ
کرو جو کچھ خدا سب جانتا ہے (حقیقت ہر طرح پہچانتا ہے)
رکھو اس پہ توکل تم ہمیشہ وہی کافی وکیل اللہ ہے اچھا(۹)

ان تین آیات کے اکثر و بیشتر مفہوم کا انداز لفظ بہ لفظ ترجمے کا ہے، مگر مکمل طور پر اس کو ترجمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تفسیری ترجمہ

فاضل نظم نگار کہیں کہیں تفسیری ترجمے کا اُسلوب بھی اختیار کر لیتے ہیں، مثال ملاحظہ کریں:

﴿فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ

وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ
أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾(۱۰)

یہ سن کر اُن کی باتیں مکر والی　　بنا دعوت کی گھر اپنے میں ڈالی
وہ تکیہ دار اک مجلس بنائی　　ضیافت میں چھری اک اک عطا کی
جب آیا وقت واں پھل کاٹنے کا　　تو واں عورت نے یوسف کو بلایا
نگاہ اک اُن کی جب اُس پر پڑی تھی　　ہر اگ واں اس طرح دنگ رہ گئی تھی
بجائے پھل واں اپنے ہاتھ کاٹے　　عجب بے ساختہ آواز اٹھے
کہ حاشاء اللہ یہ انسان نہیں ہے　　فرشتہ ہے یہ کوئی بالیقین ہے(۱۱)

درج بالا آیت کے مفہوم میں اگرچہ تفسیری اُسلوب اپنایا گیا ہے،مگر یہ کوئی بلیغ زبان و بیان نہیں ہے۔ دعوت کی بنا ڈالنا، مجلس بنانا، حاشاء اللہ یہ سب محاورے کی رُو سے غلط ہیں۔''ضیافت میں اک اک چھری عطا کرنا'' کوئی بلیغ تعبیر نہیں ہے۔''اگ'' سہوِ کتابت ہے،اصل میں''اِک'' ہے۔

کہیں کہیں لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کی سعی

فاضل نظم نگار کا اکثر و بیشتر اُسلوب تو مفہومی اور تفسیری ترجمے کا ہے،مگر کہیں کہیں لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے،سورۂ عصر کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

عصر کی قسم کھا کر میں کہوں گا　　کہ ہے انساں کو ہر نوع خسارا
مگر وہ لوگ جو ایمان لائے　　اور اچھے کام بھی کرکے دکھائے
رہے کرتے وہ حق کی بھی نصیحت　　کریں تلقین صبر اور دیں ہدایت(۱۲)

حواشی

''مفاہیم القرآن'' میں کہیں کہیں حواشی بھی ہیں،مگر یہ صرف نام کے ہی حواشی ہیں،عام طور حاشیہ نویسی متن کی کسی بات کی مزید تشریح و توضیح کے لیے کی جاتی ہے،یہاں ایسا کچھ نہیں،اکثر مقامات پر تو متن کے کسی لفظ کو بعینہٖ حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔مثلاً

کہ آئی چیونٹیوں کی راہ میں وادی　　تو ان سے ایک چیونٹی نے ندا دی

اس شعر میں''چیونٹیوں'' پر حاشیہ کی علامت لگا کر حاشیے میں صرف''وادیٔ نملہ'' لکھا ہے(۱۳)۔

ہیں جو اہلِ کتاب اس جگہ رہتے　　کرو نہ بحث ان سے اس طرح سے

اہل کتاب پر علامت تحشیہ کے بعد حاشیہ میں بعینہٖ یہی لفظ لکھ دیا گیا ہے(۱۴)۔ اکثر و بیشتر حواشی اسی قسم کے ہیں۔

لا اقسم میں کے بارے میں نظم نگار کا موقف

لفظ ''لا اقسم'' قرآن مجید میں سات مقامات پر آٹھ مرتبہ آیا ہے، اس کے بارے میں مفسرین و مترجمین کا موقف ہے کہ یہ قسم کے لیے ہے یعنی ''میں قسم کھاتا ہوں''، صاحب زاد المسیر نے تو اس پر مفسرین کا اتفاق نقل کیا ہے، البتہ حرف ''لا'' کے بارے میں مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض مفسرین کے نزدیک یہ زائدہ ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے: ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ [الحدید۵۷:۲۹]، بعض مفسرین کے نزدیک ''لا'' قسم میں مزید تاکید کے لیے ہے، جیسے تو کہے: لا واللّٰه لا افعل ''بخدا میں ایسا بالکل نہیں کروں گا''، بعض مفسرین کے نزدیک قسم سے پہلے ''لا'' کسی بات سے انکار کرنے والوں کے رد میں آتا ہے، منکرین قیامت کے رد میں ﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ [القیامہ۷۵:۱] (۱۵)۔ اسی لیے اردو مترجمین ''لا اقسم'' کا ترجمہ ''میں قسم کھاتا ہوں'' کرتے ہیں، مگر ڈاکٹر قلعہ داری نے اکثر مقامات پر اس کا ترجمہ ''میں قسم نہیں کھاتا'' کیا ہے، جو کہ جمہور مفسرین و اردو مترجمین کے جادۂ مستقیم سے ہٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے اور نظم نگار کی عربیت سے ناواقفیت کی روشن دلیل ہے، مثالیں ملاحظہ کیجیے:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ﴾(۱۶)

نہیں میں قسم اب تاروں کی کھاتا
مواقع دیکھ کر کہتا ہوں ایسا(۱۷)

''لا اقسم'' کے علاوہ بھی ترجمہ نہ صرف غلط بلکہ اللہ کی ذات پر افترا باندھا ہے، دوسرا مصرع شاعر کی اپنی خیال آرائی اور شاعرانہ ہذیان کے سوا کچھ نہیں، آیت کا راست مفہوم ہے: ''ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم''، کہاں یہ مفہوم اور کہاں شاعر کی اللہ کی ذات پر افترا پردازی؟

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾ (۱۸)

قسم کھا کر کہوں جو چیز دیکھو(۱۹)

لا اقسم کا ترجمہ تو ٹھیک کیا ہے، مگر مفہوم مبہم ہے، اس آیت کا انسب ترجمہ ہے: ''تو ہم کو ان چیزوں کی قسم جو تم کو نظر آتی ہیں''

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ﴾ (۲۰)

قسم ہے مشرق و مغرب کے رب کی(۲۱)

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ٥ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ (۲۲)

قیامت کی قسم کھاتا نہیں میں
نہ لوامہ نفس کی بھی کہیں ہیں(۲۳)

دوسرا مصرع ابلاغ مفہوم میں گنجلک ہے۔ ممکن ہے کہ لفظ ''کہیں'' سہو کتابت ہو، اصل لفظ ''کھائی'' ہو۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ٥ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾ (۲۴)

ستاروں کی قسم کھاؤں جو ایسے
پلٹ کر جو کہ چھپ جاتے ہیں پیچھے(۲۵)

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ٥ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ﴾ (۲۶)

نہیں میں قسم کھاتا ہوں شفق کی
نہ شب کی جس نے ہو ہر شے سمیٹی(۲۷)

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ (۲۸)

نہیں کھاتا قسم اس شہر کی(۲۹)

عربیت ناشناسی

فاضل نظم نگار کا دعویٰ تو یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف درس نظامی پڑھا، بل کہ ہدایہ، شرح وقایہ اور شرح ملا جامی جیسی کتب کی تدریس سالہا سال کرتے رہے ہیں (۳۰)، مگر ''مفاہیم القرآن'' کے کسی صفحے سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ عربیت آشنا ہیں، باوجودیکہ آپ کا پی ایچ ڈی عربی ہونا بھی مسلّم الثبوت ہے۔ اب فاضل نظم نگار کی عربیت ناشناسی کے مظاہر دیکھیے قرآن مجید میں ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ٥ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ (۳۱)، شَاهِدًا ''اَرْسَلْنٰكَ'' کی کاف ضمیر خطاب سے حال ہے، جب کہ مبشر، نذیر، داعی اور سراج منیر یہ سب بھی ''شاہد'' پر معطوف ہو کر ترکیب میں حال بن رہے ہیں، مزید آں کہ ''باذنہ'' ''داعیًا'' کی ضمیر سے حال ہے (۳۲)، اوّلاً سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نثری ترجمہ ملاحظہ کریں، جس میں عربیت کا لحاظ رکھا گیا ہے:

''اے نبی! ہم نے تمھیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کی اجازت سے اُس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔'' (۳۳)

اب فاضل نظم نگار کا منظومہ ملاحظہ کریں، جہاں موصوف نے عربیت کے بخیے ادھیڑ دیے ہیں:

نبی میرے تجھے دنیا میں بھیجا بشارت اور ڈرانے کے لیے آ
تم اُن لوگوں کو دو اللہ کی دعوت بلاؤ سب کو تم اللہ کی جانب
تو ہی روشن چراغ اللہ سے آیا تجھے روشن دیا حق نے بنایا(۳۴)

عربیت نا آشنائی کے ساتھ ساتھ ترجمہ غلط، زبان وبیان غیر فصیح اور کلام سقیم ہے، ان تین اشعار میں ہر قسم کے نقص پائے جاتے ہیں۔ یہ مفہوم انتہائی مضحکہ خیز ہے، نبی میرے تجھے دنیا میں بھیجا، اس کا تتمہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ تو بشارت اور ڈرانے کے لیے جا، آ تا تو بلانے کا تتمہ ہوتا ہے۔ اس آیت کے مفہوم سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نظم نگار عربیت کی شد بد سے بھی واقف نہیں، چہ جائے کہ عربی زبان وادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حامل ہیں۔ ''دعوت'' اور'' جانب'' کا ہم قافیہ لانا فنی شاعری سے ناپختگی کی علامت ہے۔ عربیت ناشناسی کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (۳۵)

ہے بھیجا تم کو شاہد اور مبشر نذیر و حق نما اعلیٰ پیمبر
اے لوگو اس پہ تم ایمان لاؤ اور اپنے آپ کو ساتھ ان کے پاؤ
کرو تعظیم ان کی تم بہر کام پڑھو تسبیح اس کی صبح اور شام(۳۶)

یہاں بھی شاہداً، مبشراً اور نذیراً ترکیب میں ارسلناک کی ضمیر خطاب سے حال بن رہے ہیں، مگر نظم نگار نے اس کو بالائے طاق رکھتے ہوئے من مانا مفہوم بیان کیا ہے، یہ مفہوم مغلق بھی ہے اور غلط بھی۔ مغلق اس اعتبار سے ہے کہ پہلے شعر سے مفہوم یہ متبادر ہو رہا ہے کہ ''اے شاہد، مبشر، نذیر، حق نما اعلیٰ پیمبر ہم نے تمھیں بھیجا ہے''، ظاہر ہے کہ یہ آیت کا مدلول نہیں ہے۔ مدلولِ آیت ہے: ''بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' (۳۷)، ''اے لوگو اس پہ تم ایمان لاؤ'' یہ ''لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ '' کا ناقص اور غلط ترجمہ ہے، ناقص اس اعتبار سے کہ ''باللہ ورسولہ'' کا ترجمہ محض ''اس پہ'' سے کرنا

http://www.alqalamjournalpu.com/

نامکمل ہے، غلط اِس اعتبار سے کہ یہاں حرف ندا نہیں ہے کہ جس کا ترجمہ ''اے'' سے کیا جائے، یہاں لام تعلیلیہ ہے، جسے مفہوم میں نظر انداز کر دیا گیا ہے (۳۸)، (اس لیے) تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (۳۹)؛ ''دوسرے شعر کا دوسرا مصرع'' اور اپنے آپ کو ساتھ ان کے پاؤ'' ﴿وَتُعَزِّرُوْهُ﴾ کا غلط ترجمہ ہے، اس کا راست ترجمہ ہے: ''اور اس کی مدد کرو'' (۴۰)، ''پڑھو تسبیح'' محاورے کی رُو سے غلط ہے، صحیح محاورہ ''تسبیح کرنا'' ہوتا ہے۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے سے ''اے'' کی یا وزن سے ساقط ہے، یہ فنی غلطی ہے۔

تعقید لفظی و معنوی سے لبریز مفہوم

فاضل مفہوم نگار بسا اوقات الفاظ و ترکیب کا دروبست اس طرح لاتے ہیں کہ مفہوم یا تو مغلق ہو جاتا ہے یا پھر نظم نگار کی مراد کے برعکس برآمد ہوتا ہے، اس تعقید لفظی و معنوی کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں، ایک دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (۴۱)

وہ دیگر چیزیں جن کو پوجتے ہو پکارو اُن کو حق کو چھوڑتے ہو
کسی وہ چیز کے خالق نہیں ہیں وہ خود مخلوق خالق بالیقیں ہیں
وہ مردہ ہیں نہ یہ بھی جان پائیں کہ کب ان کو دوبارہ ہم اٹھائیں
خدا ہی جانتا ہے کب اُٹھائے انہیں زندہ کرے اور حق بتائے (۴۲)

پہلا شعر'' وہ دیگر چیزیں جن کو پوجتے ہو، پکارو اُن کو حق کو چھوڑتے ہو'' ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کا غلط، نارسا اور مغلق مفہوم ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی اسلوب بیان سے اعراض بھی کیا گیا ہے۔ آیت میں ''يَدْعُوْنَ'' ہے، جس کے معنیٰ ہیں: وہ پکارتے ہیں/ پکاریں گے، ''جن کو پوجتے ہو'' کس کا مفہوم ہے؟ یہاں ''الذین تعبدون'' تو نہیں ہے، اگر یہاں ''يَدْعُوْنَ'' سے عبادت مراد بھی لے لیں تو یہ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، جب کہ ترجمہ مخاطب کے صیغے کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پھر ''پکارو اُن کو'' کس لفظ کا مفہوم ہوگا؟ دوسرا مصرع ''پکارو اُن کو حق کو چھوڑتے ہو'' ابلاغِ مفہوم کے اعتبار سے مغلق ہے، غالباً شاعر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق کو چھوڑ کر ان کو پکارتے ہو، مگر یہ نظم نہیں کر سکے۔ دوسرا شعر ادائے مفہوم میں گزارا کرتا ہے، مگر تیسرے شعر کے پہلے مصرعے کی بندش سے ایک اور مفہوم بھی ماخوذ ہوتا ہے: ''وہ مردہ ہیں نہ یہ بھی جان پائیں'' یعنی نہ وہ مردہ ہیں اور نہ وہ جان

پائیں گے، ظاہر ہے کہ یہ آیت کا مدلول نہیں ہے۔ ''وہ مردہ ہیں'' کے بعد کاما (Comma) لگانا ازحد ضروری تھا، جس سے تساہل برتا گیا ہے۔ اس شعر کا اگلا مصرع ﴿اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ﴾ کا مفہوم بیان کر رہا ہے، یہ مجہول کا صیغہ ہے، مگر مفہوم معروف سے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھا شعر ماسبق کی تفسیر کے لیے ہے۔

اب ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے: جس میں فاضل نظم نگار ایسی مغلق تعبیر لائے ہیں، کہ ایک سادہ سا مفہوم بھی گنجلک ہو کر رہ گیا ہے، سورہ فتح کی آیت نمبر ۴ ہے ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ﴾، جس کا سادہ سا مفہوم ہے: ''وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی تا کہ اُن کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے''، اب ڈاکٹر قلعہ داری کا منظوم مفہوم ملاحظہ کریں، جو اس نثری ترجمے کی نسبت مغلق ہے:

وہی اللہ کہ جس نے مومنوں کو　　سکینت کی عطا ان مسلموں کو
کہ تا ایمان کے ساتھ اور ایقان　　بڑھائیں ہر طرح باعزت و شان (۴۳)

اس جزوِ آیت کا مفہوم نظم کرتے ہوئے جہاں ''فِیْ قُلُوْبِ'' کو نظر انداز کر دیا ہے جو سکینت کا ظرف ہے وہاں ''مومنوں'' کے بعد ''ان مسلموں کو'' کا تکرار ملال آور ہے، اُتارنا اور عطا کرنا میں بھی فرق ہے جس کو نظم نگار نے ملحوظ نہیں رکھا۔ آخری شعر مغلق ہے، اگر اس کو آیت سے الگ کر کے صرف شاعری کے طور پر بھی پڑھیں تو قاری کو کچھ سمجھ نہیں آئے گا۔ تعقید لفظی و معنوی کی ایک اور مثال ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (۴۴) کے مفہوم میں دیکھیے:

بنا رحمت تجھے بھیجا جہاں میں　　یہ رحمت حق کی ہے دورِ زماں میں (۴۵)

نظم ہو یا نثر تعقید ہر حال میں عیب شمار ہوتی ہے، خواہ لفظی ہو یا معنوی۔

تعقید کلام میں جہاں ہوتی ہے
سامع کی طبیعت پہ گراں ہوتی ہے

ناقص مفہوم

''مفاہیم القرآن'' کو ترجمے کے ترازو پر تولنا تو شاید مناسب نہیں، لیکن مفہوم ترجمے کی نسبت زیادہ خاصے کی چیز ہے، مفہوم میں ترجمہ تو ہوتا ہی ہے، اگرچہ من وعن نہیں ہوتا، بل کہ مفہوم نگار کے اپنے اُسلوب میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن مفہوم کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ متن کے کسی ضروری لفظ، ترکیب یا تعبیر سے صرف نظر کر دیا جائے، قرآنی مفہوم نگار کو اپنے الفاظ اور اپنے اسلوب میں مفہوم بیان کرنے کی اجازت

ہے، مگر کسی لفظ یا تعبیر کو چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ جس سے وہ مفہوم ناقص رہ جائے، یہی عیب ''مفاہیم القرآن'' میں بھی پایا جاتا ہے اور کثرت سے پایا جاتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾(۴۶)

اب ان کے بعد تم آئے زمیں پر یہ دیکھیں کیا عمل کرتے ہو یکسر(۴۷)

''اب ان کے بعد تم آئے زمیں پر'' یہ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ﴾ کا غلط مفہوم ہے، ''جَعَلْنٰكُمْ'' کا مفہوم کسی بھی طرح ''تم آئے'' درست نہیں، دوسری بات یہ کہ ''خَلٰٓئِفَ'' قرآن مجید کی ایک اہم تعبیر ہے، اسے نظر انداز کرنے سے مفہوم ناقص رہ جاتا ہے، اس آیت کا راست ترجمہ ہے: ''پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا''۔ اسی طرح سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۳۶ سے ﴿وَمَنْ عَصَانِيْ﴾ کو نظر انداز کر دیا ہے، سورۂ النحل کی آیت نمبر ۱۱ سے ﴿وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ کا مفہوم نظم ہونے سے رہ گیا ہے۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ سے ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ﴾ کا مفہوم بھی نظم ہونے سے رہ گیا ہے، ناقص مفہوم کی ایک اور مثال کہ مفہوم نگار نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (۴۸) کا مفہوم ''پسندیدہ نہیں مفسد کسی سو'' (۴۹) بیان کیا ہے۔

غلط مفہوم

ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری کا نظم کردہ مفہوم قرآن کا بہ نظر عمیق مطالعہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ بسا اوقات فاضل مفہوم نگار آیتوں کا ایسا مفہوم نظم کرتے ہیں کہ اسے ترجمہ کہہ سکتے ہیں نہ مفہوم، بل کہ وہ مفہوم قرآن کے نام پر شاعر کا اپنا ادبی ہذیان اور تخیلاتی ہیجان ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (۵۰)

پہلے اس آیت کا حافظ فتح محمد جالندھری کا کردہ نثری ترجمہ ملاحظہ کریں، جو مفہوم نگار کے بھی پیش نظر رہا ہے، پھر منظوم مفہوم ملاحظہ کریں کہ آیت اور منظوم مفہوم میں کسی قسم کا کوئی علاقہ ہی نہیں ہے:

''اور اگر خدا لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا، جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں، تو اُن کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔ سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں، انھیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں'' (۵۱)

اگر جلدی وہ کرتا حق تعالٰی تو واضح طور پہ اس طرح ہوتا

عمل اچھے کی خاطر ان کی مدت　　ہوئی ہوتی کبھی کی ختم مہلت
مگر اس کا یہ ہے اچھا طریقہ　　بنا رکھا ہے اک اعلیٰ سلیقہ
توقع جو نہیں رکھتے وفا کی　　انھیں مہلت ملی جور و دغا کی(۵۲)

فاضل مفہوم نگار کے نظم کردہ مفہوم کا آیت سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں، یہ شاعر کی اپنی خیال آرائی کے سوا کچھ نہیں۔ اس قسم کی ایک اور مثال ملاحظہ کریں:

﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ٥ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ٥ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِيْنَ﴾ (۵۳)

بہت اپنے رسول ہر نوع کے　　جو اُن سے پہلی قوموں پر تھے بھیجے
ہر اک نے تھا مذاق اُن کا اُڑایا　　برا سب نے تھا برتاؤ دکھایا
کریں ہر نوع جو کہ برے ہوں　　جرائم میں یہ آگے بڑھ رہے ہوں
سلاخوں سے یہ ذکر ہم اُن کے دل میں　　بڑی مشکل سے ہم کانوں میں ڈالیں
نہیں تھے حق پہ وہ ایماں لاتے　　پرانے سب طریقے تھے بتاتے(۵۴)

پہلے دو شعروں میں ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ کا مفہوم بیان کیا گیا ہے، مفہوم کسی حد تک ادا ہو گیا ہے، مگر یہاں شاعر نے ماضی استمراری کو ماضی مطلق میں بدل دیا ہے، جو کسی طرح بھی مفہوم کے نام پر روا نہیں رکھا جا سکتا۔ اس سقم کے علاوہ انھیں صرف اشعار کے طور بھی پڑھیں تو شعر روانی سے تہی ہیں، ''قوموں پر بھیجنا'' زبان و بیان کی رُو سے غلط ہے، رسول قوموں کی طرف یا قوموں میں بھیجے جاتے ہیں، قوموں پر بھیجنا غلط ہے۔ اسی طرح ''برتاؤ دکھانا'' بھی زبان و بیان کی غلطی ہے، درست محاورہ ''برتاؤ کرنا'' ہے۔ پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں لفظ ''رسول'' کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھیں تو شعر بے وزن ہو جاتا ہے، وزن میں رکھ کر پڑھیں تو تلفظِ رسول کی حرمت پر حرف آتا ہے، رُسُل پڑھنے سے شعر موزوں رہتا ہے۔

اگلے دو شعر ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ شاعر کا اپنا تخیلاتی مفہوم ہے، جمہور مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ ''اس طرح ہم اس (تکذیب وضلال) کو گناہ گاروں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں'' (۵۵) کیا ہے، آیت کے سیاق وسباق کا اقتضا بھی یہی ہے۔ ان آیات میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر آئے اُن کی برابر تکذیب ہوتی رہی ہے، اُن

کا بھی مذاق اُڑایا جاتا رہا ہے، آپ کی تکذیب واستہزا پیغمبروں کی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں، لہٰذا آپ قریش مکہ کے رویوں سے رنجیدہ نہ ہوں، یہ تکذیب واستہزا اُن کے دلوں میں ڈال دیا گیا ہے(۵۶)۔ فاضل نظم نگار نے جو مفہوم بیان کیا ہے نہ اس کی زبان رواں ہے اور نہ کوئی واضح مفہوم اخذ ہو رہا ہے۔ شاید ان آیات کا مفہوم نظم کرتے ہوئے نظم نگار کے پیش نظر سید مودودی کا ترجمہ رہا ہو، کیوں کہ آپ نے جمہور مترجمین سے ہٹ کر ''نَسْلُکُہٗ'' کی ضمیر کا مرجع پیچھے آیت ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (۵۷) میں ''الذکر'' متعین کرتے ہوئے ترجمہ ''مجرمین کے دلوں میں تو ہم اس ذکر کو (سلاخ کی مانند) گزارتے ہیں'' (۵۸) کیا ہے۔ نظم نگار کے پیش نظر سید مودودی کا ترجمہ ہی رہا ہو تو بھی صحیح مفہوم نظم کرنے سے عاجز رہے ہیں، ''بڑی مشکل سے ہم کانوں میں ڈالیں'' سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر حرف آتا ہے، کہ کوئی کام اللہ تبارک وتعالیٰ مشکل سے بھی کرتے ہیں، العیاذ باللہ۔ آخری شعر بھی ﴿لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ کا غلط مفہوم ہے، اس کا راست ترجمہ ہے: ''سو وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلوں کی روش بھی یہی رہی ہے'' (۵۹)۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرعے سے ''نوع'' کا عین وزن سے ساقط ہے، جب کہ حرف ''کہ'' کو پورا نظم کیا ہے، نوع کی عین گرانا اور ''کہ'' کی ہا کو برقرار رکھنا دونوں فنی غلطیاں ہیں۔

اب ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے جہاں شعر کی غلط بندش سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا ہے، سورۂ مریم کی آیت ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا﴾ (۶۰)، جس میں حشر کی ہولناکیوں کا ذکر ہے کہ ''سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (اس وقت میں) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی، پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد اس حالت سے حاضر کریں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے'' (۶۱)۔ اب ڈاکٹر قلعہ داری کا منظوم مفہوم ملاحظہ کریں:

ترے رب کی قسم ہم ٹھیک سب کو　　اٹھائیں گے شیاطین ان کے رب کو
گرا دیں گے انھیں گھٹنوں کے بل ہم　　انھیں لے جائیں گے سوئے جہنم (۶۲)

بادی النظر میں پہلے شعر سے یہ مفہوم اخذ ہو رہا ہے کہ ''تیرے رب کی قسم! ہم شیاطین ٹھیک سب کو، اُن کے رب کو اٹھائیں گے''، نہ صرف یہ کہ مفہوم غلط ہے بل کہ انتہا درجے کی بے ادبی ہے، غالباً شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم سب کو اٹھائیں گے اور شیاطین کو بھی جو ان کے رب ہیں، مگر شعر کی غلط بندش سے جو مفہوم نکلتا ہے اس پر الامان الحفیظ ہی کہا جا سکتا ہے۔ فاضل نظم نگار کی اللہ کی شان میں گستاخی کا مظاہرہ دیکھئے جو

انہوں نے ﴿هَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾ (۶۳) کے مفہوم کے ضمن میں کیا ہے:

تمہارے حال سے وہ باخبر ہے
تمہارے مال پر اُس کی نظر ہے(۶۴)

اس آخری گستاخانہ مصرع پر تو صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے:

تم ہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

اب ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے کہ جس میں فاضل نظم نگار نے ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ (۶۵) کا مفہوم نظم کیا ہے:

تھا ان کا ہاتھ بھی اللہ کا ہاتھ تھا باندھا حق سے اُن نے اپنا ساتھ(۶۶)

''یداللہ'' یا بیعت سے کنایہ ہے یا غلبہ ونصرت سے کنایہ ہے، مگر یہ کہنا ان (صحابہ کرام) کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے مناسب نہیں ہے۔ دوسرا مصرع وزن سے کم رہ گیا ہے، نظم نگار کا اختیار کردہ وزن ہے ''مفاعلین مفاعیلن فعولن''، مگر یہ مصرع ''مفاعلین مفاعلین فعول'' پر پورا ہو رہا ہے۔ غلط مفہوم کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ (۶۷)

وہ اللہ پاک ہے جس نے نبی کو کہا جاکر ہدایت دو سبھی کو
کہ حکمِ دین پر غالب وہ کر دے گواہ اس پر خدا ہی کو سمجھ لے(۶۸)

آیت کہتی ہے کہ اس (اللہ) نے اپنے رسول کو بھیجا، ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ، تاکہ وہ اس دینِ حق کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے، مگر شاعر نے اس آیت کا بالکل عجیب وغریب مفہوم بیان کیا جس کا آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ''وہ اللہ پاک ہے'' کس جزوِ آیت کا مفہوم ہے، یہاں سبحان الذی تو نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ رسول کا مفہوم رسول سے ہی ادا ہونا چاہیے تھا، نہ کہ نبی سے۔ تیسری بات کہنا اور بھیجنا میں فرق ہے، آیت کا مدلول تو یہ ہے کہ اُس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ نبی سے کہا کہ جا کر سبھی لوگوں کو ہدایت دو، ''لِیُظْهِرَهٗ'' میں لام تعلیلیہ ہے، اس جزوِ آیت میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کیا گیا ہے، کہ آپ کے ذمہ صرف دعوت وتبلیغ کا کام سرانجام دینا نہیں، بل کہ اس دینِ حق کو غلبہ اور تمکن دینا اور دیگر تمام ادیان کو اس کے سامنے سرنگوں کرنا بھی آپ کی بعثت کے مقاصد میں سے ہے۔ فاضل نظم نگار نے اس آیت کے اصل الاصول

کو فراموش کر کے جو مفہوم نظم کیا ہے وہ مفہومِ قرآن کے نام پر اُس کا شاعرانہ ہذیان ہے، دوسرے شعر کا یہ پہلا مصرع ''کہ حکم دین پر غالب وہ کر دے'' بالکل ہی مبہم ہے، ''گواہ اس پر خدا ہی کو سمجھ لے'' ﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ کا مفہوم تو نہیں ہے، البتہ نظم نگار کی عربیت ناشناسی کو ضرور آشکارا کر رہا ہے۔ قرآن مجید کی بعض مسلّم تعبیروں کی من مانی نکتہ سنجی کی ایک جھلک ذیل کی آیت کے مفہوم میں بھی ملاحظہ کیجئے:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا﴾ (۶۹)

دی ہم نے فتح تم کو فتح ایسی جو واضح بھی ہے اور فتح مبیں بھی
پریشانی تری سب اگلی چھیلی خدائے پاک نے ہے دور کردی
ہے کی تکمیل نعمت ہر طرح سے دکھائے تم کو سیدھے صاف رستے
تجھے نصرت عطا کر دے زبردست (کہ تم بالا رہو دشمن رہیں پست)(۷۰)

''واضح بھی'' اور ''فتح مبیں بھی'' لایعنی تکرار ہے۔ آیت تقاضا کرتی کہ اس کا مفہوم مقصدیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نظم کیا جائے، یہاں فعل مضارع میں بات ہو رہی ہے جو زمانہ حال یا مستقبل کو متضمن ہے، مگر فاضل نظم نگار نے ماضی مطلق کے ساتھ ترجمہ کیا ہے، نظم نگار کے مفہوم کو عربی میں منتقل کریں تو عربی عبارت کچھ اس طرح وجود میں آئے گی:

وغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر، وتم نعمته عليك
وهداك صراطا مستقيما، لينصرك نصراً عزيزاً.

یہاں اس آیت میں دو اہم لفظ آئے ہیں: مغفرت اور ذنب، شاعر نے یہاں اوّل سے مراد دور کرنا اور ثانی سے مراد پریشانی لیا ہے، اس قسم کی نکتہ سنجی کی نہ تو عربیت اجازت دیتی ہے اور نہ آپ سے پہلے کسی مترجم نے یہ نکتہ بیان کیا ہے۔ ''چھیلی'' سہوِ کتابت ہے، مفہوم نگار کی مراد شاید یہاں ''پچھلی'' ہے۔

فنی خرابیاں

''مفاہیم القرآن'' میں قافیے کی، وزن و بحر کی اور لفظ و معنیٰ کی بہت سی فنی خرابیاں پائی جاتی ہیں، ایسی اغلاط صفحہ بہ صفحہ چلتی ہیں، مثلاً ﴿وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (۷۱) کا مفہوم ملاحظہ کیجئے:

عطا اللہ کرے مال غنیمت بڑی جلدی کرو اور اب نہیں وقت
جسے وہ عنقریب حاصل کریں گے خدا دانا قوی ہے ہر طرح سے(۷۲)

غنیمت اور وقت ہم قافیہ نہیں ہو سکتے؛ ''عنقریب'' صحیح نظم نہیں ہوا، درست تلفظ کے ساتھ پڑھیں تو شعر کے وزن سے بڑھ جاتا ہے، شعر کو وزن میں رکھ کر پڑھیں تو تلفظ درست نہیں رہتا۔ ان اشعار میں ان فنی اغلاط سے صرف نظر بھی کر لیں تو بھی مفہوم درست نہیں، پہلے سید فضل الرحمٰن کا نثری ترجمہ ملاحظہ کریں: ''بہت سی غنیمتیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ بڑا زبردست، نہایت حکمت والا ہے''(۷۳)، شاعر نے قرآن مجید کی عربیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مفہوم نظم نہیں کیا، بل کہ اپنی مرضی اور اپنی طبیعت کو قبلہ و کعبہ بنایا ہے، پہلے شعر کا دوسرا مصرع ''بڑی جلدی کرو اور اب نہیں وقت'' بے تکا اور غیر ضروری اضافہ ہے، نہ آیت سے یہ مفہوم ماخوذ ہو رہا ہے اور نہ سیاقِ کلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ ''قوی'' عزیز کا ناقص ترجمہ ہے۔ اس آیت کے مفہوم کی طرح نظم نگار نے قافیہ بندی میں بہت سے مقامات پر غلطیاں کی ہیں، مثلاً ''ظالم، جہنم''(۷۴)، ''وہ، ہو''(۷۵)، ''وہ، کو''(۷۶)، ''جا کر، کافر''(۷۷) وغیرہم، ماہین الواوین الفاظ کو ہم قافیہ باندھنا فنی ناپختگی کی علامت ہے۔

ماحصل

قرآنی مطالب و مفاہیم کو نظم کرنے کے لیے جس احتیاط اور بیدار مغزی کی ضرورت ہوتی ہے، ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی نے اُس کو ملحوظ نہیں رکھا۔ ''مفاہیم القرآن'' میں ابتدا سے انتہا تک قرآنی متن اور عربیت کی بہ جائے شاعر کی تخیل آرائی غالب نظر آتی ہے۔ فاضل نظم نگار جا بہ جا خیالی مضامین میں ٹکریں مارتے اور ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اشعار دیکھ کر قرآنی آیات ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ﴾(۷۸) بار بار یاد آتی ہیں، جو اس زمانے کے شعرا کے حالات بیان کرنے کے لیے اُتری تھیں، بل کہ ہر زمانے میں موجود اس قسم کے شعرا کے حالات بیان کرتی ہیں۔ ''مفاہیم القرآن'' میں مفہوم غلط، بل کہ بعض اوقات انتہائی مضحکہ خیز اور اہانت آمیز ہو جاتا ہے؛ مفہوم میں بعض قرآنی آیات کے اجزا کے بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ فاضل نظم نگار نے قرآنی اُسلوبِ بیان کی بہ جائے اپنی طبیعت اور ذوق کو قبلہ و کعبہ بنایا ہے۔ شعروں سے روانی مفقود ہے، زبان و بیان درست نہیں ہے؛ قافیہ بندی جیسی شعر کی بنیادی چیز سے تساہل برتا گیا ہے، الغرض کسی ترجمے یا مفہوم کا جو نقص یا عیب ہو سکتا ہے اس نام نہاد منظوم مفہومِ قرآن میں موجود ہے۔ کتابت کی اغلاط شمار سے باہر ہیں۔ مفہومِ قرآن کے نام پر ایسی جسارت کی بہ جائے تحسین و توصیف کے، اس پر پابندی لگا دینی چاہیے اور اس کی تمام

مطبوعہ کا پیاں بحق سرکار ضبط کر لینی چاہئیں۔ایسے مفاہیم القرآن کو دیکھ کر مولانا ظفر علی خان کے شعر میں تصرف کرتے ہوئے دکھ سے کہنا پڑتا ہے:

کھلونا شاعروں کا بن گئی وہ سطوت کبریٰ

ہے اب تک شور جس کا آسمانوں اور زمینوں میں

حوالہ جات وحواشی

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین احمد قریشی قلعہ داری ۳۰؍مارچ ۱۹۲۳ء قلعہ دار میں پیدا ہوئے آپ کا اصل نام احمد حسین ہے، جب کہ ادبی نام احمد حسین احمؔد ہے،۱۹۶۲ء، ۱۹۶۳ء، اور ۱۹۶۴ء میں بالترتیب فارسی، اُردو اور عربی میں ایم اے بہ طور پرائیویٹ امیدوار کیا۔۱۹۸۶ء میں آپ کو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی نے مقالہ بہ عنوان ''ادبیات عربی میں علمائے لاہور کا حصہ'' اور شعبۂ اُردو نے تحقیقی مقالہ ''عیار الشعراء ازمنشی خوب چند ذکا۔تحقیق،تنقید اور تدوین'' پر پی ایچ ڈی کی ڈگریوں سے نوازا، پی ایچ ڈی کی ان دو ڈگریوں کی وجہ سے جناب قلعہ داری اپنے نام کے ساتھ ''ڈاکٹر ڈاکٹر'' لکھتے ہیں۔گورنمنٹ زمیندار ڈگری کالج گجرات کے شعبۂ اُردو سے ریٹائرڈ پروفیسر ہیں۔اس وقت عمر ۱۰۱ سال ہے۔علامہ اقبال کی بہت سے نظموں کا منظوم پنجابی ترجمہ کر چکے ہیں۔اُردو اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر تصور کیے جاتے ہیں۔فاضل نظم نگار کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: عبداللہ خان، کیپٹن (ر) (مرتب وتحشی)، مکاتیب عزیز (غلام ربانی عزیز کے خطوط)، ناشر: مرتب خود بمقام اٹک، س۔ن: بخاری، عبدالواحد، حکیم، تعارف نامہ پروفیسر احمد حسین احمد قلعہ داری، مکتبۂ ظفر ناشر قرآنی قطعات گجرات، ۱۹۷۳ء۔

۲۔ قلعہ داری، احمد حسین احمؔد قریشی، پروفیسر ڈاکٹر، مفاہیم القرآن، ادارہ اشاعۃ القرآن ''القرشیہ'' قلعہ دار، رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء، ج ۱،ص ۹؛ ج ۲،ص ۱۷۷۵۔

۳۔ ڈاکٹر احمد حسین قریشی سے انٹرویو، مؤرخہ ۱۲؍نومبر ۲۰۱۳ء، بمقام گجرات۔

۴۔ مفاہیم القرآن، ۱۹۹۶ء، ج ۱،ص ۲۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ قلعہ داری، مفاہیم القرآن، ادارہ اشاعۃ القرآن ''القرشیہ'' قلعہ دار گجرات، ۲۰۱۳ء، ج ۱،ص ۲۵۔

۷۔ ایضاً،ص ۷۵۵۔

۸۔ الاحزاب ۳۳:۱-۳

۹۔ مفاہیم القرآن، ج ۲،ص ۱۳۳۳۔

۱۰۔ یوسف ۱۲:۳۱

۱۱۔ مفاہیم القرآن، ج ۱،ص ۷۶۵۔

۱۲۔ مفاہیم القرآن، ج ۲،ص ۱۹۲۷۔

۱۳۔ مفاہیم القرآن، ج ۲،ص ۱۲۱۱۔

۱۴۔ ایضاً،ص ۱۴۸۳۔

http://www.alqalamjournalpu.com/

۱۵۔ الجوزی، جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد (م: ۵۹۷ھ)، زاد المسیر فی علم التفسیر، تحقیق: عبد الرزاق المہدی، دار الکتاب العربی بیروت، ط: ۱، ۱۴۲۲ھ، ج ۴، ۳۶۸۔

۱۶۔ الواقعہ ۵۶: ۷۵

۱۷۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۷۱۳۔

۱۸۔ الحاقہ ۶۹: ۳۸

۱۹۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۸۱۵۔

۲۰۔ المعارج ۷۰: ۴۰

۲۱۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۸۴۱۔

۲۲۔ القیامۃ ۷۵: ۱-۲

۲۳۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۸۴۵۔

۲۴۔ التکویر ۸۱: ۱۵-۱۶

۲۵۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۸۷۹۔

۲۶۔ الانشقاق ۸۴: ۱۶-۱۷

۲۷۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۸۸۹۔

۲۸۔ البلد ۹۰: ۱

۲۹۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۰۵۔

۳۰۔ نظم نگار نے یہ دعویٰ راقم سطور کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔

۳۱۔ الاحزاب ۳۳: ۳۵-۳۶

۳۲۔ صافی، محمود بن ابراہیم (م: ۱۳۷۶ھ)، **الجدول فی أعراب القرآن الکریم**، مؤسسۃ الایمان بیروت، ط: ۳، ۱۴۱۸ھ، ج ۲۲، ص ۱۷۲۔

۳۳۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ط: ۴۰، اگست ۲۰۱۴، ص ۱۰۷۷۔

۳۴۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۳۵۳۔

۳۵۔ الفتح ۴۸: ۸-۹

۳۶۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۳۔

۳۷۔ دریا آبادی، عبد الماجد، مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س ن، ص ۱۰۴۴۔

۳۸۔ صافی، الجدول فی اعراب القرآن، ج ۲۶، ص ۲۴۶۔

۳۹۔ دریابادی، القرآن الحکیم مع ترجمہ وتفسیر، ص ۱۰۴۴۔

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ النحل ۱۶: ۲۰-۲۱

۴۲۔ مفاہیم القرآن، ج ۱، ص ۸۹۱۔

۴۳۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۱۔

۴۴۔ الانبیاء ۲۱: ۱۰۷

۴۵۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۰۵۹۔

۴۶۔ یونس ۱۰: ۱۳

۴۷۔ مفاہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۷۳۔

۴۸۔ القصص ۲۸: ۷۷

۴۹۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۳۶۱۔

۵۰۔ یونس ۱۱:۱۰
۵۱۔ فتح الحمید، ص ۳۳۶۔
۵۲۔ مفاہیم القرآن، ج ۱، ص ۶۷۱، ۶۷۳۔
۵۳۔ الحجر ۱۳-۱۱:۱۵
۵۴۔ مفاہیم القرآن، ج ۱، ص ۸۴۱۔
۵۵۔ فتح الحمید، ص ۴۴۲۔
۵۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۴، ص ۵۲۷۔
۵۷۔ الحجر ۹:۱۵
۵۸۔ سید مودودی، ترجمہ قرآن مجید، ص ۲۶۹۔
۵۹۔ جالندھری، فتح محمد، فتح الحمید، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س ن، ص ۴۴۳۔
۶۰۔ مریم ۶۸:۱۹
۶۱۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، القرآن الحکیم مع ترجمہ و تفسیر، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، س ن، ص ۴۸۰۔
۶۲۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۹۹۳۔
۶۳۔ الفتح ۱۱:۴۸
۶۴۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۳۔
۶۵۔ الفتح ۱۰:۴۸
۶۶۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۳۔
۶۷۔ الفتح ۲۸:۴۸
۶۸۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۳۔
۶۹۔ الفتح ۳-۱:۴۸
۷۰۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۱۔
۷۱۔ الفتح ۱۹:۴۸
۷۲۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۹۔
۷۳۔ فضل الرحمن، سید، زبدۃ البیان، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی، س ن، ص ۵۷۰۔
۷۴۔ مفاہیم القرآن، ج ۱، ص ۹۹۳۔
۷۵۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۳۳۔
۷۶۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۰۸۵۔
۷۷۔ مفاہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۰۵۷۔
۷۸۔ الشعراء ۲۲۵-۲۲۴:۲۶

☆☆☆☆☆